



سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ



ماگنا ایک مانگنے والے نے، عذاب پڑنے (ہونے) والا، منکروں کے واسطے کوئی نہیں اس کو بٹانے والا۔

تفسیر ابن کثیر

علامہ عبدالدین ابن کثیر

مترجم

مولانا محمد صاحب جونا گڑھی

المعارج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ (۱)

ایک طلب کرنے والے نے اس عذاب کی خواہش کی جو ہونے والا ہے۔

بعذاب میں جو ہے وہ بتا رہی ہے کہ یہاں فعل کی تضمین ہے کہ کیا کہ فعل مقدر ہے۔ یعنی یہ کافر عذاب کے واقع ہونے کی طلب میں جلدی کر رہے ہیں جیسے اور جگہ فرمایا:

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ (22:47)

یہ عذاب کے مانگنے میں عجلت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

یعنی انکا عذاب یقیناً اپنے وقت مقررہ پر آ کر ہی رہے گا۔

لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ (۲)

کافروں پر جسے کوئی ہٹانے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ عذاب کافروں کے لئے تیار ہے اور ان پر آپڑنے والا ہے جب آجائے گا تو اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور نہ کسی میں اتنی طاقت ہے کہ اسے ہٹا سکے۔

معارض کا مفعوم:

مَنْ اللّٰهُ ذِي الْمَعَارِجِ (۳)

اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سیڑھیوں والا ہے۔

ذی المعارج کے معنی ابن عباس کی تفسیر کے مطابق درجوں والا یعنی بلند یوں اور بزرگوں والا۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ معارج سے آسمان کی سیڑھیاں مراد ہیں۔

قتادہ کہتے ہیں فضل و کرم اور نعمت و رحم والا۔

یعنی یہ عذاب اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ان صفتوں والا ہے۔

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (۴)

جسکی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں اس دن میں جسکی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔

اسکی طرف فرشتے اور روح چڑھتے ہیں۔

روح کی تفسیر میں حضرت ابوصالح فرماتے ہیں کہ یہ ایک قسم کی مخلوق ہے انسان تو نہیں لیکن انسانوں سے بالکل مشابہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہوں اور یہ عطف ہے عام پر خاص کا اور ممکن ہے اس سے مراد بنی

آدم کی روحیں ہوں اس لئے کہ وہ بھی قبض ہونے کے بعد آسمان کی طرف چڑھتی ہیں جیسے کہ حضرت براءؓ والی لمبی حدیث

میں ہے کہ جب فرشتے پاک روح نکالتے ہیں تو اسے لے کر ایک آسمان سے دوسرے پر چڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ

ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں۔

پچاس ہزار سال کا روز قیامت:

اللہ فرماتا ہے اس دن میں جسکی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ اس میں چار قول ہیں

ایک تو یہ کہ اس سے مراد ووری ہے جو اسفل السافلین سے عرش معلیٰ تک ہے اور اسی طرح عرش کے نیچے سے اوپر تک فاصلہ

ابھی اتنا ہی اور عرش معلیٰ سرخ یا قوت کا ہے جیسے کہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب صفت العرش میں ذکر کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب سے اس عالم کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تب سے لے کر قیامت تک اس کی بقا کی آخری مدت پچاس ہزار سال کی ہے۔ چنانچہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ دنیا کی کل عمر پچاس ہزار سال کی ہے اور یہی ایک دن ہے جو اس آیت میں مراد لیا گیا ہے۔ حضرت مکرمہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی پوری مدت یہی ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ کس قدر گزر گئی اور کتنی باقی ہے بجز اللہ تبارک تعالیٰ کے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دن وہ ہے جو دنیا اور آخرت میں فاصلہ ہے۔ حضرت محمدؐ کہتے ہیں فرماتے ہیں۔ لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہ سند صحیح مروی ہے۔ حضرت مکرمہ بھی یہی فرماتے ہیں۔

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس سے ایک قبیلہ بنو امر کا ایک شخص گزرا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ اپنے قبیلہ میں سب سے بڑا مالدار ہے۔ آپ نے اسے بلوایا اور فرمایا: کیا واقعی تم سب سے زیادہ مالدار ہو؟ اس نے کہا ہاں میرے پاس رنگ برنگ کے سینکڑوں اونٹ، قسم قسم کے غلام اعلیٰ اعلیٰ درجے کے گھوڑے وغیرہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:

دیکھو خیر دار ایسا نہ ہو کہ یہ جانور اپنے پاؤں سے تمہیں روندیں اور اپنے سینگوں سے تمہیں ماریں!

بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ عامری کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے کہا حضرت یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا سنو! میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ جو اپنے اونٹوں کا حق ادا نہ کرے گا انکی سختی میں اور انکی آسانی میں تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک چھینیل بے چوڑے صاف میدان میں چت لٹائے گا اور ان تمام جانوروں کو موٹا تازہ کر کے حکم دے گا کہ اسے روندتے ہوئے چلو۔

چنانچہ ایک ایک کر کے اسے کپتے ہوئے گزریں گے جب آخر والا گزر جائے گا تو اول والا لوٹ کر آ جائے گا۔ یہی عذاب اسے ہوتا رہے گا۔ اس دن میں جسکی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا۔ اسی طرح گائے، گھوڑے، بکری وغیرہ بھی سینکڑوں جانور اپنے سینگوں سے بھی اسے مارتے جائیں گے کوئی ان میں بے سینگ کا یا ٹوٹے ہوئے سینگ والا نہ ہوگا۔

عامری نے پوچھا۔ ابو ہریرہؓ فرمائیے اونٹوں میں اللہ تعالیٰ کا حق کیا ہے؟ فرمایا:

• مسکینوں کو سواری کے لئے تھختہ دینا

• غرباء کے ساتھ سلوک کرنا

• دودھ پینے کے لئے جانور دینا

• انکے نروں کی ضرورت جنہیں مادہ کے لئے نہیں مانگا ہوا بے قیمت دینا۔

یہ حدیث ابو داؤد اور نسائی میں بھی دوسری سند سے مذکور ہے۔

یہاں اگلے بیان کرنے سے ہماری غرض صرف ان الفاظ سے ہے کہ 'یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا' اس دن جسکی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ وہ دن کیا ہے جسکی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا وہ کون سا پچاس ہزار سال کا دن ہوگا؟ اس نے کہا حضرت میں خود دریافت کرنے آیا ہوں آپ نے فرمایا کہ سنو: یہ وہ دن ہیں جنکا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کو ان کی حقیقت کا بخوبی علم ہے میں تو باوجود نہ جاننے کے کتاب اللہ میں کچھ کہنا مکروہ جانتا ہوں۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا (۵)

پس تو اچھی طرح صبر کر لے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! تم اپنی قوم کے جھٹلانے پر اور عذاب کے مانگنے کی جلدی پر جسے وہ اپنے نزدیک نہ آنے والا جانتے ہیں صبر و سہار کرؤ جیسے اور جگہ ہے:

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ ءَامَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ

(42:18)

بے ایمان تو قیامت کے جلد آنے کی منائیں کرتے ہیں اور ایماندار اسکے آنے کو حق جان کر اس سے ڈر رہے ہیں۔

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا (۶)

بے شک یہ اس عذاب کو دور سمجھ رہے ہیں۔

وَنَرَاهُ قَرِيبًا (۷)

اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں۔

اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ یہ تو اسے دور جان رہے ہیں بلکہ محال اور واقع نہ ہونے والا مانتے ہیں۔ لیکن ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں

یعنی مومن تو اس کا آنا حق جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب آیا ہی چاہتا ہے نہ جانے کب قیامت قائم ہو جائے اور کب عذاب آ پڑے گی کیوں کہ اسکے صحیح وقت کو تو بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی جانتا ہی نہیں پس ہر وہ چیز جسکے آنے اور ہونے میں کوئی شک نہ ہو اسکا آنا قریب ہی سمجھا جاتا ہے اور اسکے ہو پڑنے کا ہر وقت کھٹکا ہی رہتا ہے۔

قیامت کی ہولناکیاں:

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ (۸)

جس دن آسمان مثل تیل کی تلچھٹ کے ہو جائے گا۔

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (۹)

اور پہاڑ مثل رنگین اون کے ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس عذاب کو یہ طلب کر رہے ہیں وہ عذاب ان طلب کرنے والوں کا فروں پر اس دن آئے گا جس دن آسمان مثل مہل کے ہو جائے گا یعنی زیتون کے تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے اور پہاڑ ایسے ہو جائیں جیسے دھنی ہوئی اون۔ یہی فرمان اور جگہ ہے:

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (101:5)

اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔

وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا (۱۰)

اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔

يُبْصِرُونَهُمْ ...

حالانکہ ایک دوسرے کو دکھا دیئے جائیں گے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی قریبی رشتہ دار کسی اپنے قریبی رشتہ دار سے پوچھ گچھ بھی نہ کرے گا حالانکہ ایک دوسرے کو بری حالت میں دیکھ رہے ہوں گے لیکن خود ایسے مشغول ہوں گے کہ دوسرے کا حال پوچھنے کا بھی ہوش نہ رہے گا۔ سب آپا دھانی میں پڑے رہیں گے۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے کو دیکھے گا پہنچانے گا لیکن پھر بھاگ کھڑا ہوگا جیسے اور جگہ ہے

لِكُلِّ امْرِيءٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (80:37)

ہر ایک شخص ایسے مشغلے میں لگا ہوا ہوگا جو دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ہی نہ دے گا۔

اور جگہ ارشاد ہے:

يَأْتِيهَا النَّاسُ انْفِقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن

وَالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ (31:33)

لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنی اولاد کو اور اولاد اپنے کو کچھ کام نہ آئے
بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

اور جگہ ارشاد ہے:

لَا يُحْمَلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ (35:18)

کو قرابت داروں ہوں لیکن کوئی کسی کا بوجھ نہ بٹائے گا۔

اور جگہ فرمایا

فَإِذَا نْفَخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَبَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ (35:18)

یعنی صورت پھونکتے ہی سب آپس کے رشتے ناتے اور پوچھ گچھ ختم ہو جائے گی۔

اور ایک جگہ فرمان ہے

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ - وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ - وَصَحْبَتِهِ وَبَنِيهِ

لِكُلِّ امْرِيءٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (37-80:34)

اس دن انسان اپنے بھائی سے ماں باپ سے بیوی سے اور فرزند سے بھاگتا پھرے گا۔ ہر شخص بوجھ اپنی
پریشانیوں کے دوسرے سے غافل ہوگا۔

يَوْمَ الْمُجْرِمِ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ (۱۱)

گنہگار آج کے دن کے عذاب کے بدلے فدیے میں اپنے بیٹوں کو

وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ (۱۲)

اور اپنی بیویوں کو اور اپنے بھائی کو

وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ (۱۳)

اور اپنے کنبے کو جو اسے جگہ دیتا تھا

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ (۱۴)

اور روئے زمین کے سب لوگوں کو دینا چاہے گا تاکہ اسے نجات مل جائے۔

یہ وہ دن ہوگا کہ اس دن گنہگار تہ دل چاہے گا کہ اپنی اولاد کو اپنے فدیے میں دے کر جہنم کے عذاب سے چھوٹ جائے اور اپنی
بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے رشتے کنبے کو اور اپنے خاندان اور قبیلے کو بلکہ چاہے تمام روئے زمین کے لوگوں کو جہنم میں ڈال
دیا جائے لیکن اسے آزاد کر دیا جائے۔

آہ کیا ہی دل گداز منظر ہے کہ اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اپنی شاخوں اور اپنی جڑوں کو اور سب کے سب کو آج فدا کرنے پر تیار ہے تاکہ خود بچ جائے۔

فصلہ کے ایک معنی مال کے بھی کئے گئے ہیں۔

كَلَّا إِنَّهَا لَنظَى (۱۵)

مگر ہرگز یہ نہ ہوگا یقیناً وہ شعلہ والی آگ ہے۔

نَزَاعَةَ لِّلشَّوَى (۱۶)

جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے۔

غرض کو تمام تر محبوب ہستیوں کو اپنی طرف سے بھیٹ میں دینے پر دل سے رضامند ہوگا۔ لیکن کوئی چیز کام نہ آئے گی، کوئی بدلہ اور فدیہ نہ کہے گا، کوئی عوض اور معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا بلکہ اس آگ کے عذابوں میں ڈالا جائے گا جو اونچے اونچے اور تیز تیز شعلے پھینکنے والی اور سخت بھڑکنے والی ہے۔ جو سر کی کھال تک حملہ کر کھینچ لاتی ہے، بدن کی کھال دور کر دیتی ہے اور کھوپڑی پلپلی کر دیتی ہے۔ ہڈیوں کو گوشت سے الگ کر دیتی ہے۔

رگ پٹھے کھینچے لگتے ہیں ہاتھ پاؤں اٹھنے لگتے ہیں پنڈلیاں کٹی جاتی ہیں، چہرہ بگڑ جاتا ہے ہر ہر عضو بگڑ جاتا ہے، چیخ پکار کرتا رہتا ہے ہڈیوں کا چورا کرتی رہتی ہے، کھالیں جلاتی جاتی ہیں۔

تَدْعُو مَنَ اُنْبِرَ وَتَوَلَّى (۱۷)

وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جو پیچھے ہٹتا اور منہ موڑتا ہے۔

یہ آگ اپنی فصیح زبان اور اونچی آواز سے اپنے والوں کو جنہوں نے دنیا میں بدکاریاں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کی تھیں، پکارتی ہے پھر جس طرح پرند جانور دانہ چگتا ہے اسی طرح میدان محشر میں سے ایسے بدکردار لوگوں کو ایک ایک کر کے دیکھ بھال کر چن لیتی ہے۔

وَجَمَعَ فَاوَعَى (۱۸)

اور جمع کر کے سنبھال رکھتا ہے۔

اب انکی بد اعمالیاں بیان ہو رہی ہیں کہ یہ دل سے جھٹلانے والے اور بدن سے عمل چھوڑ دینے والے تھے یہ مال کو جمع کرنے والے اور سر بند کر کے رکھ چھوڑنے والے تھے اللہ تعالیٰ کے ضروری احکام میں بھی مال خرچ کرنے سے گریز کرتے تھے بلکہ زکوٰۃ تک ادا کرتے تھے۔

حدیث میں ہے:

لَا تُوعِي فَبُوعِي اللَّهِ عَلَيْكَ

سمیٹ سمیٹ کر سینت سینت کر نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے روک لے گا۔

حضرت عبداللہ بن عکیل تو اس آیت پر عمل کرتے ہوئے کبھی تھیلی کا منہ ہی نہ باندھتے تھے۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم اللہ تعالیٰ کی وعید سن رہا ہے پھر بھی مال سمیٹتا جا رہا ہے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ مال کو جمع کرنے میں حلال حرام کا پاس نہ رکھتا تھا اور فرمان اللہ تعالیٰ ہوتے ہوئے بھی خرچ کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

انسانی عادت:

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا (۱۹)

بے شک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے۔

إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا (۲۰)

جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو ہڑ بڑا اٹھتا ہے۔

وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا (۲۱)

اور جب راحت ملتی ہے تو بچل کرنے لگتا ہے۔

یہاں انسانی جبلت کی کمزوری بیان ہو رہی ہے کہ بڑا ہی بے صبر ہے۔ مصیبت کے وقت تو مرے گھبراہٹ اور پریشانی کے باؤ لاسا ہو جاتا ہے گویا دل اڑ گیا اور گویا اب کوئی آس باقی نہیں رہی اور راحت کے وقت بخیل کنجوس بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ڈکا جاتا ہے۔

رسول اللہ فرماتے ہیں:

شَرُّ مَا فِي رَجُلٍ: شَحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ

بدترین چیز انسان میں بے حد بخیل اور انتہائی درجہ کی نامردی ہے۔ ابو داؤد

إِنَّا الْمُصَلِّينَ (۲۲)

مگر وہ نمازی

الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ (۲۳)

جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہاں اس مذموم خصلت سے وہ لوگ دور ہیں جن پر خاص فضل الہی ہے اور جنہیں توفیق خیر ازل سے مل چکی ہے جن کی صفتیں یہ ہیں کہ وہ پورے نمازی ہیں وقتوں کی نگہبانی کرنے والے واجبات نماز کو اچھی طرح بجالا بیوالے سکون و اطمینان اور خشوع و خضوع سے پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے والے ہیں جیسے فرمایا:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ - الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَشِعُونَ (2-23:1)

ان ایمانداروں نے نجات پالی جو اپنی نماز خوف الہی سے ادا کرتے ہیں۔

ٹھہرے ہوئے بے حرکت پانی کو بھی عرب **ماء دائم** کہتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں اطمینان واجب ہے جو شخص اپنے رکوع و سجدے پوری طرح ٹھہر کر اطمینان ادا نہیں کرتا وہ اپنی نماز پر دائم نہیں کیونکہ نہ وہ سکون کرتا ہے نہ اطمینان بلکہ کوع کی طرح ٹھونگیں مارتا ہے اسکی نماز اسے نجات نہیں دلائے گی۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہر نیک عمل پر مداومت اور ہمیشگی کرنا ہے جیسے کہ نبی اللہ علیہ صلات اللہ کا فرمان ہے:

أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَنْوَمُهَا وَإِنْ قُلَّ

اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے جس پر مداومت کی جائے کو کم ہو۔

خود حضور کی عادت مبارک بھی یہی تھی کہ جس کام کو کرتے اس پر ہمیشگی کرتے۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ حضرت دانیال علیہ السلام پیغمبر نے امت محمدؐ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وہ ایسی نماز پڑھے گی کہ اگر قوم نوح ایسی نماز پڑھتی تو ذوق نہیں۔ اور قوم عاد کی اگر ایسی نماز ہوتی تو ان پر بے برکتی کی ہوائیں

نہ بھیجی جاتیں اور اگر قوم شہودی نماز ایسی ہوتی تو انہیں چیخ سے ہلاک نہ کیا جاتا

پس اے لوگو! نماز کو اچھی طرح پابندی سے پڑھا کرو۔ مومن کا یہ زیور اور اسکا بہترین خلق ہے۔

مالوں میں غریب کا حصہ:

وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ (۲۴)

اور جن کے مالوں میں مقررہ حصہ ہے۔

اَلْسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (۲۵)

مانگنے والوں کا بھی اور سوال سے بچنے والوں کا بھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انکے مالوں میں حاجت مندوں کا بھی مقررہ حصہ ہے۔
سائل اور محروم کی پوری تفسیر سورہہ داریات میں گزر چکی ہے۔

وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ (۲۶)

اور جو انصاف کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ (۲۷)

اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

یہ لوگ حساب اور جزا کے دن پر بھی یقین کامل اور پورا ایمان رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ اعمال کرتے ہیں جن سے ثواب پائیں اور عذاب سے چھوٹیں۔

پھر انکی صفت بیان ہوتی ہے:

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ (۲۸)

بے شک انکے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔

وہ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے اور خوف کھانے والے ہیں جس عذاب سے کوئی تکلمند انسان بے خوف نہیں رہ سکتا ہاں جسے اللہ تعالیٰ امن دے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوحِهِمْ حَافِظُونَ (۲۹)

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی (حرام سے) حفاظت کرتے ہیں۔

إِنَّا عَلَىٰ أَرْوَاحِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ (۳۰)

ہاں انکی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں انہیں کوئی ملامت نہیں۔

اور یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے روکتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی اجازت نہیں اس جگہ سے بچاتے ہیں ہاں اپنی بیویوں اور اپنی مملوک لونڈیوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہیں سو اس میں ان پر کوئی ملامت اور لانا بنا نہیں۔

فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ (۳۱)

اب جو کوئی ان کے علاوہ (راہ) ڈھونڈے گا تو ایسے لوگ حد سے گزر جانے والے ہوں گے۔

لیکن جو شخص ان کے علاوہ اور جگہ یا اور طرح اپنی شہوت رانی کرے وہ یقیناً حدودِ عالمی سے تجاوز کرنے والا ہے۔
ان دونوں آیتوں کی پوری تفسیر **قد افلح المؤمنون** میں گزر چکی ہے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (۳۲)

اور جو اپنی امانتوں کی اور اپنے قول و قرار ہر آن ملحوظ رکھتے ہیں۔

یہ لوگ امانت کے ادا کرنے والے وعدوں اور عہدوں، قول و قرار کو پورا کرنے والے اور اچھی طرح نباہنے والے ہیں نہ خیانت کرتے ہیں نہ بد عہدی اور نہ وعدہ شکنی کرتے ہیں۔

یہ سب صفاتیں مومنوں کی ہیں اور انکے خلاف عمل کرنے والا منافق ہے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین خصالتیں ہیں؛
إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا أُوْتِمِنَ خَانَ

۔ جب کبھی بات کرے تو جھوٹ بولے

۔ جب کبھی وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور

۔ جب امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے۔

ایک اور روایت میں ہے:

۔ جب کبھی عہد کرے تو اسے توڑ دے اور جب کبھی بھگڑے تو گالیاں بولے۔

وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ (۳۳)

اور جو اپنی گواہیوں پر سیدھے اور قائم رہتے ہیں۔

یہ اپنی شہادتوں کی بھی حفاظت کرنے والے ہیں یعنی نہ اس میں کمی کرتے ہیں نہ زیادتی نہ شہادت دینے سے بھاگتے ہیں نہ اسے چھیٹاتے ہیں جو چھیٹالے تو وہ دل کا گنہگار ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ (۳۴)

اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنی نماز کی پوری چوکسی کرتے ہیں یعنی وقت پر ارکان اور واجبات اور مستحبات کو پوری طرح بجا لاکر نماز پڑھتے ہیں۔

یہاں یہ بات خاص توجہ کے لائق ہے کہ ان جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شروع وصف بھی نماز کی ادائیگی کا بیان کیا اور ختم بھی اسی پر کیا۔ پس معلوم ہوا کہ نماز امرِ دین میں عظیم الشان کام ہے اور سب سے زیادہ شرف اور فضیلت والی چیز بھی یہی ہے اسکا ادا کرنا سخت ضروری اور اسکا بندوبست نہایت ہی تاکید والا ہے۔

سورۃ قد افلح المؤمنون میں ٹھیک اسی طرح بیان ہوا ہے اور وہاں اوصاف کے بعد بیان فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہمیشہ ہمیش کے لئے وارث فردوس ہیں اور یہاں فرمایا:

أُولَئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ (۳۵)

ان ہی لوگوں کی جنتوں میں عزت و تکریم کی جائے گی۔

یہی لوگ جنتی ہیں اور وہاں قسم قسم کی لذتوں اور خوشبوؤں سے عزت و اقبال کے ساتھ مسرور محفوظ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل ان کا فروں پر انکار کر رہا ہے جو حضور اکرمؐ کے مبارک زمانے میں تھے۔ خود آپؐ کو دیکھ رہے تھے اور آپؐ جو ہدایت لے کر آئے وہ انکے سامنے تھی اور آپؐ کے کھلے معجزے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے پھر باوجود ان تمام باتوں کے وہ بھاگ جاتے تھے اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر دائیں بائیں کتر جاتے۔ جیسے اور جگہ ہے:

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ

كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (49: 51-74)

یہ نصیحت سے منہ پھیر کر ان گدھوں کی طرح جو شیر سے بھاگ رہے ہوں کیوں بھاگ رہے ہیں؟

فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلِكَ مُهْطِعِينَ (۳۶)

پس کافر تیری طرف کیوں دوڑتے آتے ہیں؟

عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشَّمَالِ عَزِيزٍ (۳۷)

دائیں اور بائیں سے گروہ کے گروہ۔

یہاں بھی اسی طرح فرما رہا ہے کہ ان کفار کو کیا ہو گیا ہے یہ نفرت کر کے کیوں تیرے پاس سے بھاگے جا رہے ہیں؟

کیوں دائیں بائیں سرکتے جاتے ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ متفرق طور پر اختلاف کے ساتھ ادھر ادھر ہو رہے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خواہش نفس پر عمل کرنے والوں کا حق میں یہی فرمایا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے مخالف ہوتے ہیں

اور آپس میں بھی مختلف ہوتے ہیں ہاں کتاب اللہ کی مخالفت میں سب متفق ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت عوفی مروی ہے کہ وہ ٹولیاں ہو کر بے پرواہی کے ساتھ تیرے دائیں بائیں ہو کر تجھے

مذاق سے گھورتے ہیں۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یعنی دائیں بائیں الگ ہو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے کیا کہا؟
حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ دائیں بائیں ٹولیاں ٹولیاں ہو کر حضور اکرم کے ارد گرد پھرتے رہتے ہیں نہ کتاب اللہ کی چاہت
ہے نہ رسول اللہ کی رغبت ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ کو کون کے پاس تشریف لائے اور وہ متفرق طور پر حلقے حلقے تھے تو آپ نے فرمایا:
مَا لِي أَرَأَيْكُمْ عَزِينَ؟

میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی صورت میں کیسے دیکھ رہا ہوں؟ مسند احمد
یہ ابن جریر میں اور سند سے بھی مروی ہے۔

کافروں کی خواہش:

أَيُّطَمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ (۳۸)

کیا ان میں سے ہر ایک کی توقع یہ ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے گا؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انکی چاہت ہے کہ جنت نعیم میں داخل کئے جائیں؟

كَلَّا ...

ہرگز نہ ہوگا۔

إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُونَ (۳۹)

ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں۔

ایسا ہرگز نہ ہوگا یعنی جب انکی یہ حالت ہے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہ سے دائیں بائیں کتر جاتے ہیں پھر انکی یہ چاہت
پوری نہیں ہو سکتی بلکہ یہ جہنمی گروہ ہے اب جس چیز کو یہ محال جانتے تھے اسکا بہترین ثبوت ان ہی کی معلومات اور اقرار سے
بیان ہو رہا ہے کہ جس نے تمہیں ضعیف پانی سے پیدا کیا ہے جیسے کہ خود تمہیں بھی معلوم ہے پھر کیا وہ تمہیں دوبارہ نہیں پیدا کر
سکتا؟ جیسے اور جگہ فرمایا:

أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ (77:20)

کیا ہم نے تمہیں ناقدرے پانی سے پیدا نہیں کیا؟

فرمان ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ - خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ - يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ

إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ (86:5-8)

انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیچھے اور چھاتی کے درمیان سے نکلتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اسکے لوٹانے پر قادر ہے۔

جس دن یوشیدگیاں کھل پڑیں گی اور کوئی طاقت نہ ہوگی نہ مددگار۔

پس یہاں بھی فرماتا ہے مجھے قسم ہے اسکی جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور مشرق مغرب متعین کی اور ستاروں کے چھپنے اور ظاہر ہونے کی جگہیں مقرر کر دیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے کافر و! جیسا تمہارا گمان ہے ویسا معاملہ نہیں کہ نہ حساب کتاب ہوگا نہ حشر نثر ہوگا بلکہ یہ سب یقیناً ہونے والی چیزیں ہیں۔

اس لئے قسم سے پہلے انکے باطل خیال کی تکذیب کی اور اسے اس طرح ثابت کیا کہ اپنی قدرت کاملہ کے مختلف نمونے انکے سامنے پیش کئے۔ مثلاً آسمان و زمین کی ابتدائی پیدائش اور ان میں حیوانات جمادات اور مختلف قسم کی مخلوق کی موجودگی جیسے اور جگہ ہے:

لَخَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (40:57)

آسمان و زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بڑا ہے لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے تو چھوٹی چھوٹی چیزوں کی پیدائش پر کیوں قادر نہ ہوگا؟ جیسے اور جگہ فرمایا:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَعْزِبْ عَنْهَا بِقَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (46:33)

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور انکی پیدائش میں نہ تھکا کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک وہ قادر ہے اور ایک اسی پر کیا ہر چیز پر سے قدرت حاصل ہے۔

اور جگہ ارشاد ہے:

أُولَئِكَ الَّذِينَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدْرِ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ
إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (36:81,82)

کیا زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا انکے مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ ہاں ہے اور وہی پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔ وہ جس چیز کا ارادہ کرے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا! وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔

مشرق اور مغرب کا رب:

فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ (٤٠)

پس مجھے قسم ہے مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم یقیناً قادر ہیں۔

عَلَىٰ أَنْ تُبَدَّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ...
کہ ان کے عوض ان سے اچھے لوگ لے آئیں؛

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ (۴۱)
ہم عاجز نہیں ہیں۔

یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ شرقوں اور مغربوں کے پروردگاری قسم ہم ان کے ان جسموں کو جیسے یہ اب ہیں اس سے بھی بہتر صورت میں بدل ڈالنے پر پورے پورے قادر ہیں۔ کوئی چیز کوئی شخص اور کوئی کام ہمیں عاجز اور در ماندہ نہیں کر سکتا۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے:

أَيُحْسِبُ الْإِنْسَانُ أَنْ نُجَمَعَ عِظَامَهُ - بَلَىٰ قَدَرِينٌ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ (75:3,4)

کیا کسی شخص کا یہ گمان ہے کہ ہم اسکی ہڈیاں جمع نہ کر سکیں گے؟ غلط گمان ہے بلکہ ہم تو اسکی پور پور جمع کر کے ٹھیک ٹھاک بنا دیں گے۔

اور جگہ فرمایا:

نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَٰ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ

عَلَىٰ أَنْ تُبَدَّلَ أَمْثَلَكُمْ وَنُنشِئْكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ (56:60,61)

ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر کر دی ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تم جیسوں کو بدل چالیں اور تمہیں اس نئی پیدائش میں پیدا کریں جسے تم جانتے بھی نہیں۔

پس ایک تو مطلب آیت مندرجہ بالا کا یہ ہے۔

دوسرا مطلب امام ابن جریر نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ہم اس امر پر قادر ہیں کہ تمہارے بدلے ایسے لوگ پیدا کر دیں جو ہمارے مطیع اور فرمانبردار ہوں اور ہماری نافرمانیوں سے رکے رہنے والے ہوں۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے:

الْفُقَرَاءُ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبَدِّلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا (47:38)

اگر تم نے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ تمہارے سوا اور قوم لائے گا اور وہ تم جیسی نہ ہوگی۔

لیکن پہلا مطلب دوسری آیتوں کی صاف دلالت کی وجہ سے زیادہ ظاہر ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جھٹلانے والوں کی روز قیامت پیشی:

فَدَرُّهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ (۴۲)

پس تو انہیں جھگڑتا کھیلتا چھوڑ دے یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے جا ملیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ (٤٣)

جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی تھان کی طرح تیز تیز جا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی! انہیں انکے جھٹلانے اور کفر کرنے اور سرکشی میں بڑھنے ہی میں چھوڑ دو جسکا وبال ان پر اس دن آئے گا جسکا ان سے وعدہ ہو چکا ہے جس دن اللہ تعالیٰ انہیں بلائے گا اور یہ میدان حشر کی طرف جہاں انہیں حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا۔ اس طرح لپکتے ہوئے جائیں گے جس طرح دنیا میں کسی بت یا علم کو یا تھان اور چلے کوچھونے اور ڈنڈوٹ کرنے کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے جاتے ہیں مارے شرم وندامت کے نگاہیں زمین میں گڑی ہوتی ہوں گی اور چہروں پر پھنکار برس رہی ہوگی۔

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَفُهُمْ ذِلَّةً ...

انکی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت چھا رہی ہوگی

ذَلِكَ الْيَوْمِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ (٤٤)

یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

یہ ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے سرکشی کرنے کا نتیجہ۔ اور یہ ہے وہ دن جس کے ہونے کو آج محال جانتے ہیں اور انہی مذاق میں نبی اکرمؐ کی اور شریعت کی اور کلام اللہ کی حقارت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیامت کیوں قائم نہیں ہوتی ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔



© Copy Rights:
Zahid Javed Rana, Abid Javed Rana
Lahore, Pakistan
www.quran4u.com